معاصر اردو ناول اور ناول نگار-4

معاصر ناول نگاروں میں ایک اہم نام پیغام آفاقی کا ہے۔ پیغام آفاقی نے شاعری اور افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ ناول نگاری کی صنف کو بھی اپنی قیمتی تخلیقات سے نوازا ہے۔ آپ کے اب تک دو ناول مکان اور پلیتہ اشاعتی مراحل سے گزر کر منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اپنے ناولوں میں انہوں نے عصرِ حاضر میں راہ پانے والی غیر اخلاقیت، قدروں کی شکست و ریخت، سماجی برائیاں اور سیاسی بے راہ روی وغیرہ جیسے مسائل کی بڑی چابکدستی سے ترجمانی کی ہے۔ اپنے پہلے ناول مکان میں آفاقی نے ایک مکان اور اس کے کرایہ دار کی کہانی پیش کی ہے۔ پوری کہانی دو اہم کرداروں نیرا اور کمار کے گرد گھومتی ہے۔ یہ دونوں کردار ایک دوسرے سے متضاد نظر آتے ہیں۔ نیرا جہاں ایک نڈر، ذمہ دار اور باہمت نسوانی کردار کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے وہیں کمار ایک خود غرض اور مکارانہ ذہنیت کا حامل ایک ایسا کردار ہے جو اپنی خود غرضی کے لیے بدترین حرکات کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا ہے۔

اردو کے مشہور و معروف دانشور و ادیب آل احمد سرور پیغام آفاقی کے ناول مکان پر تبصرہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں رقم طراز ہیں:

> ناول مکان مجھے کئی وجوہ سے پسند آیا۔ یہ عام ناولوں سے مختلف ہے۔ مصنف نے جو موضوع لیا ہے وہ آج کل کے آشوب کا مظہر ہے، مگر اس کو برتنے میں مصنف نے بلندی اور گہرائی دونوں کو چھولیا ہے۔

اس ناول میں جو نفسیاتی اور فلسفیانہ گہرائی ہے، وہ اس ناول کو عام ناولوں سے ممتاز کرتی ہے کہانی تو سیدھی سادی ہے، مگر اس کے ارتقا میں نیرا، کمار، اشوک، آلوک، انکل، سونیا کے یہاں جو اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔، وہی اس ناول کی جان ہیں۔ کہیں کہیں کرداروں کی سوچ میں تکرار محسوس ہوتی ہے۔ شاید یہ عمل ناگزیر ہو۔ موجودہ زندگی کی پیچیدگی، تضادات، اخلاقی قدروں کا زوال، بڑھتی ہوئی کرپشن اور اس کے اثر سے تمام اعلیٰ قدروں کا زوال۔ یہ باتیں بہت کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ بڑی چیز، ان سب کے باوجود، مصنف کا زندگی کے ثبات اور انسان کی روح پر اعتماد ہے۔ جو پورے ناول کو ایک مجاہدہ (Crusade) بنا دیتا ہے۔ جس میں مکان کو محفوظ رکھنے کی جدوجہد انسانیت کی بقا کی ایک سعی بن جاتی ہے۔ کچھ کرداروں یعنی آلوک کا بک جانا اور اشوک کے یہاں آخری تبدیلی۔ ان کے لیے قاری کو پہلے سے تیار نہیں کیا گیا۔ کم سے کم میرا تاثر یہی ہے۔ یہ تبدیلی اچانک ہوئی ہے۔

پلیتہ پیغام آفاقی کا دوسرا مقبول ترین ناول ہے۔ جس کے مطالعے سے پیغام آفاقی کے گہرے وژن اور مختلف علوم پر ان کی کامل دسترس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ پلیتہ میں پیغام آفاقی نے انڈومان نکوبار میں واقع کالا پانی کو محور اور مرکز بنا کر ماضی سے لے کر تاحال کم و بیش تمام انسانی مسائل و معاملات کا محاسبہ کیا ہے۔ کالا پانی کو استعاراتی انداز میں پیش کر کے یہ ظاہر کرنے کی سعی کی ہے کہ یہ جبر محض برصغیر میں ہی نہیں بلکہ پوری عالمِ انسانیت کو اپنی گرفت میں لیے ہوا ہے۔ اس ناول کے بارے میں حقانی القاسمی لکھتے ہیں:

> پلیتہ ایک انقلابی ناول ہے اور اس ناول کی روح زبان سے زیادہ اس کے ضمیر میں ہے۔ وہ ضمیر جس کا نام خالد سہیل ہے۔ یہ ری ویلویشن سے زیادہ ایویلویشن کا ناول ہے اس میں ناول نگار نے Periscopic وژن کا استعمال کیا ہے جو تخلیق کو

عظمت عطا کرتا ہے۔ موضوعی اعتبار سے بھی اس ناول کے بارے میں رائے منفی نہیں ہو سکتی۔ ان کا اسلوب بھی انفرادی آہنگ لیے ہوئے ہے جو دیگر ناول نگاروں سے مختلف ہے۔

ناول میں اقتداری نظام اور اس نظام کے ساتھ جڑے دوسرے شعبے جن میں پریس، میڈیا، پولیس وغیرہ شامل ہیں، کے منافقانہ رویے پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ سیاسی، سماجی اور مذہبی مفادات کی حصولیابی کی خاطر ذات پات، اونچ نیچ، چھوت چھات اور نچلے طبقے کے ساتھ بھید بھاؤ وغیرہ جیسے عناصر پر بھرپور طنز کیا گیا ہے اس لیے کہ یہی وہ ہتھیار ہے جسے استعمال میں لاکر انگریز اپنے قدم مضبوطی سے جمانے میں کامیاب ہوئے۔

محمد علیم کے ناول میرے نالوں کی گمشدہ آواز میں جو گاؤں ہمیں ملتا ہے، وہ جیتا، جاگتا، کھاتا، پیتا دکھوں سے لبریز اور خوشیوں سے معمولی آشنائی والا گاؤں ہے۔ اس میں دوستی دشمنی کے ساتھ عیاشی، چوری، ڈکیتیاں، اسمگلنگ اور ذرا ذرا سی بات پر جان سے مار دینے کی دھمکیاں ہی نہیں ملتیں بلکہ جان سے مار بھی دیا جاتا ہے اور یہ منظر نامہ محض ناول میں بسنے والے گاؤں کا ہی نہیں آج ہندوستان کے بیشتر قصبوں اور شہروں کے ساتھ گاؤں کا بھی مسئلہ ہے۔ ناول کے گاؤں سے گزرتے ہوئے کبھی راہی معصوم رضا کے آدھا گاؤں کی تعزیہ داری اور سوز خوانی کان میں پڑتی ہے کبھی عبدل بسم اللہ کی جھینی، جھینی، بینی چدریا کا سایہ ذہن پر منڈلانے لگتا ہے۔ ناول کی خوبی یہ ہے کہ اس میں زندگی کرنے والے افراد کی ایک ایک حرکت، ایک ایک دھڑکن پر ناول نگار کی نظر اور پکڑ ہے۔ ناول نگار نے اپنی بھرپور تخلیقی صلاحیتوں اور زوردار مشاہدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سب کو جیتے جاگتے سچے آدمیوں میں تبدیل کر دیا ہے، ناول نگار جس گلی سے (خواہ وہ ناول میں استعمال کیا گیا گاؤں ہو یا نیپال کی سرحد) گزرا ہے پڑھنے والے کو ساتھ ساتھ لئے پھرا ہے جس سے قاری خود کو اس ماحول کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہی نہیں مختلف کرداروں، جیسے سکھریا کا مفلوج ہونا۔ شبانہ کا اپنی عیاشیوں کے لئے معصوم رخسانہ کا استعمال کرنا، جمیل کی خام ذہنی، آمنہ بیگم کی آنکھوں کی دھندلاہٹ، شریفن کی فطرت اکرم الدین کی سادگی اور ڈاکٹر نجم الدین کی گروہ بندیاں یہ سب بھوگی ہوئی سی لگتی ہیں۔ ناول کے بعد کا حصہ زیادہ محنت اور دلچسپی سے لکھا گیا ہے اور اسی حصے میں واقعات بھی اتنی جلدی جلدی اور اس کثرت سے نمودار ہوتے ہیں کہ قاری پوری طرح ناول کی گرفت میں چلا جاتا ہے۔ تحریر کی روانی اور سلاست میں اگر کوئی چیز رکاوٹ بنتی ہے تو وہ علاقائی بولی کا اثر ہے۔

مظہر الزماں خاں کا ناول آخری داستان گو، اور سید محمد اشرف کے ناول نمبر دار کا نیلا اور آخری سواریاں بھی اردو ناول نگاری میں اہم اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سید محمد اشرف کے نمبر دار کا نیلا اور آخری سواریاں کے مطالعہ کے بعد ان کے فن کے تعلق سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ بنیادی طور پر وہ اپنے عہد کے فرد اور معاشرے کی زوال پذیری کے نباض اور ناقد ہیں۔ ان کی تحریروں میں جانور بھی اہم کردار کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔ اشرف کے فن کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ جس موضوع کا انتخاب کرتے ہیں اسی کی مناسبت سے کردار، زبان اور ماحول بھی خلق کرتے ہیں۔ انھوں نے فکشن میں عصری سچائیوں کے لیے علامت اور استعاروں کے درمیان سے راہ نکالی ہے۔ ان کے فکشن میں معاشرہ کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنے منفرد تکنیکی واسلوبیاتی انداز کی وجہ سے وہ اپنے دیگر معاصرین سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

رحمٰن عباس عصر حاضر کے ایک ایسے ناول نگار ہیں کہ جن کے ناول اردو ناول نگاری کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہوئے انسان کے اُس روپ کو بے نقاب کرتے ہیں جسے برسوں سے اس نے اپنی شخصیت کے پردے تلے چھپائے رکھا تھا۔ انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان خیر وشر کا مجموعہ ہونے کے باوجود فطری طور پر بُرا نہیں ہوتا ہے بلکہ حالات اسے اچھا یا برا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ نخلستان کی تلاش

میں میں انہوں نے ان لوگوں کو موضوع بنایا ہے جو معصوم اور بے گناہ ہونے کے باوجود بھی مستحقِ سزا ٹھہرائے جاتے ہیں اور وہ لوگ پوری زندگی اپنی کوئی الگ اور منفرد پہچان قائم کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک ممنوعہ محبت کی کہانی کوکن کے ایک دیہات 'سورل' کے بدلتے ہوئے سماجی، مذہبی، معاشرتی سروکار کے پسِ منظر میں ایک المیہ رومانی کہانی ہے۔ رحمٰن عباس نے عشق و محبت کے بیان میں ان تمام مسائل کو سمیٹ لیا ہے جو نہ صرف کوکن اور اس کے گردونواح تک ہی محدود ہیں بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک تک پہنچ چکے ہیں۔ خدا کے سائے میں آنکھ مچولی ان کا ایک اہم ناول ہے۔ جس نے معاشرے کی اُن رسوماتِ بد کو کھوجا ہے جنہوں نے انسان کی سماجی زندگی عذاب بنادی ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی یہ ناول ہے۔ رحمٰن عباس کا تازہ ناول روحزن ادبی حلقوں میں مناسب داد و تحسین وصول کرنے میں کامیاب ہوا۔

موجودہ دور کے نت نئے مسائل و معاملات اور واقعات و حادثات کو خوش اسلوبی سے پیش کرنے والے فن کاروں میں نور الحسنین کا نام بھی ناقابلِ فراموش ہے۔ افسانوں کے علاوہ ان کے دو اہم ناول آہنکار اور ایوانوں کے خوابیدہ چراغ بھی منصۂ شہود پر آکر اپنی اہمیت منوانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ آہنکار مادیت اور انسانی رشتوں کے ٹکراؤ کی کہانی ہے جب کہ ایوانوں کے خوابیدہ چراغ میں 1857 کے تاریخی واقعات اور جنگِ آزادی کا نقشہ بڑی خوبصورتی سے کھینچا گیا ہے۔ اس کے کردار وہ عام لوگ ہیں جو اس جنگ میں شریک ہوکر شہید ہوگئے لیکن جن کے کارناموں کو تاریخ آج تک دہرانے سے قاصر ہی نظر آرہی ہے۔ ڈاکٹر علی احمد فاطمی اس ناول سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

> ”نور الحسنین کا یہ ناول ان حوالوں سے کامیاب ناول ہے، جو تاریخ کا ہی نہیں زندگی کے پیچ و خم اور کیف و کم کا مفکرانہ و فن کارانہ آئینہ دار ہے۔ اس عہد میں جب عام سماجی، معاشرتی ناولوں کا ہی فقدان ہے، نور الحسنین نے تاریخی بلکہ اور آگے بڑھ کر فلسفیانہ نوعیت کا ناول لکھ کر ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔“

چاند ہم سے باتیں کرتا ہے (2015) بھی ان کا ایک اہم ناول ہے۔ ان کا تازہ ناول تلک الایام (2018) ہے۔ یہ دونوں ناول بھی خاصے مقبول ہوئے۔

نسبتاً نئے لوگوں میں اختر آزاد کا ناول لیمینیٹیڈ گرل، آصف زہری کا ناول زباں بریدہ اور عمران عاکف خاں کا ناول کمرہ نمبر 259 بھی شائع ہوکر ادبی تاریخ میں اپنی جگہ بنا چکے ہیں۔

آج کے دور میں جہاں مرد قلم کاروں نے اردو ادب کی اس مقبولِ عام صنف (ناول) میں اپنی انفرادی تخلیقی صلاحیتوں اور فکر و احساس کی بدولت اپنا ایک مخصوص مقام قائم کیا ہے وہیں خواتین قلم کار بھی ناول کو معیار و وقار عطا کرنے میں پیش پیش ہیں۔ ترنم ریاض، شائستہ فاخری، قمر جمالی، ثروت خان، خوشنودہ نیلوفر، صادقہ نواب سحر، نجمہ سہیل، نکہت حسن، خالدہ حسین وغیرہ وہ نام ہیں جنہوں نے اپنے وسیع مطالعے اور مشاہدے کا مظاہرہ کرتے ہوئے زندگی کی رنگارنگیوں کو اپنے ناولوں میں کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے ناولوں میں تجربات کی گوناگونی ملتی ہے وہ انسانی رشتوں کی پاکیزگی، تنوع، حرارت اور نزاکت کا احساس دلاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ موجودہ دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے غلبے کے زیر اثر انسانی اقدار کی بے حرمتی، مردوں کی انسانیت کش بالادستی اور ناقدری، ممتا کی بے حرمتی، خونی رشتوں کی تضحیک جیسے مسائل ان کے ناولوں کا موضوع ہیں۔

اردو ادب میں ترنم ریاض کی اہمیت کئی حیثیت سے ہے وہ بیک وقت ایک افسانہ نگار، تنقید نگار اور ناول نگار ہے۔ ان کا پہلا ناول مورتی 2004ء میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آیا۔ اس ناول میں ترنم ریاض نے ازدواجی زندگی کے مسائل اور ناکام ازدواجی زندگی کے اسباب کو موضوع بنایا ہے۔ ترنم ریاض کا دوسرا اہم ناول برف آشنا پرندے کے نام سے 2009ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں مصنفہ نے شروع سے آخر تک کشمیر کی تہذیب اور یہاں کے حالات کی عکاسی بڑی فن کاری سے کی ہے۔ ترنم ریاض وادیٔ کشمیر کی صورت حال کا دانشورانہ تجزیہ کرتے ہوئے کشمیر کے ماضی اور حال کی عکاسی جرأت مندانہ اور حقیقت پسندانہ رویہ سے کرتی ہے۔ یہ ناول ایک مسلم کشمیری خاندان کے تہذیبی زوال کی خوب صورت و معنی خیز داستان ہے۔ اس ناول میں مصنفہ کلی طور پر کشمیر کی تاریخ نہیں دوہرا رہی لیکن ناول کا مرکز چوں کہ کشمیر ہی ہے اس لیے یہاں کی تاریخ کے بعض اہم واقعات کو بڑی مہارت کے ساتھ ناول کے اصل قصے کے ساتھ جوڑا ہے جو آہستہ آہستہ ناول کے اصل قصے یا نقطۂ نظر کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ تاریخی جہات کو بھی واضح کر دیتا ہے۔ اس سے مصنفہ کی علمیت و ذکاوت اور تاریخ سے دلچسپی کا اظہار ملتا ہے:

> بارہ سو کے قریب چنار کے درختوں کا نسیم باغ شہنشاہ اکبر نے صدیوں پہلے 1586ء میں ڈل جیل کے کنارے بنوایا تھا۔ باغ یونیورسٹی سے منسلک تھا بلکہ یونیورسٹی کے کچھ انتظامیہ اور دو ایک شعبے قریب ہی تھے۔ یہ ڈل جھیل کا مغربی کنارہ ہے۔

کہانی کوئی سناؤ متاشا اور جس دن سے ناولوں کی مصنفہ صادقہ نواب سحر نے اپنے ناول میں عورت کی مظلومیت کو ایک عورت کی زبانی بیان کر کے قارئین کے دل و دماغ پر سحر کی سی کیفیت طاری کی ہے۔ پوری کہانی ناول کی مرکزی کردار 'متاشا' کے گرد گھومتی ہے۔ جو ایک عورت کے استحصال اور اس کے درد و کرب کی بھرپور داستان موثر زبان میں پیش کرتی ہے۔ اسی موضوع سے متعلق شائستہ فاخری نے اپنا ناول نادیدہ بہاروں کے نشاں تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے مردوں کی بالادستی، خود غرضی اور انانیت کے نتیجے میں عورتوں کی بے بسی اور مظلومیت کی داستان نہایت باریک بینی سے پیش کی ہے۔ ثروت النساء کا ناول اندھیرا پگ اور ناول نگاری میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اس ناول کا موضوع بیوہ عورت کی زندگی ہے۔ اس ناول کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ مصنفہ نے موضوع کی نسبت سے ناول میں راجستھانی سوسائٹی کا خوبصورت مرقع پیش کیا ہے۔ وہاں کے پنڈتوں، پروہتوں، وہاں کی معاشرت، رسم و رواج، سماجی زندگی، مذہب، کلچر وغیرہ غرض وہاں کی پوری سوسائٹی اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اس کے علاوہ نجمہ سہیل کا ناول اندھیرا ہونے سے پہلے، نکہت حسن کا جاگنگ پارک، خالدہ حسین کا کاغذی گھاٹ، صغرا مہدی کا دھند، ساجدہ زیدی کا مٹی کے حرم وغیرہ جیسے اہم ناول اردو ادب کو موجودہ صدی کی ہی دین ہیں۔

موجودہ دور میں اردو ناول کے اس سرسری جائزے کو ملحوظ خاطر رکھ کر یہ بات وثوق سے دہرائی جا سکتی ہے کہ اس صنفِ ادب کے حال کی طرح اس کا مستقبل بھی روشن و تابناک ظاہر ہوگا۔ مرد قلم کاروں کے ساتھ ساتھ خواتین تخلیق کار بھی اس صنف کو موضوعی اور ہئیتی اعتبار سے بلندی اور رنگارنگی مہیا کرنے میں اپنا نمایاں رول کامیابی سے ادا کر رہے ہیں۔ بدلتے زمانے میں جو نئے نئے مسائل انسان کو درپیش رہتے ہیں، خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی، معاشی ہو یا اقتصادی، تہذیبی ہو یا نفسیاتی، اردو ناول میں بڑی چابکدستی سے پروئے جاتے ہیں۔ مجموعی اعتبار سے اردو نال کا ارتقائی سفر تشفی بخش کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ہمیشہ بدلتے ہوئے زمانے اور حیات انسانی کی تصویر کشی کی کوشش کی ہے۔